آقا

میرا دل ہر شکل میں ڈھلنے کے لائق ہو چکا ہے؛
یہ غزالوں کے لیے چراگاہ، نصرانی راہبوں کے لیے گرجا ،
بتوں کے لیے ایک مندر، حاجی کا کعبہ،
تورات کی تختیاں اور قرآن کا صحیفہ ہے۔
میں مذہبِ عشق کا پیروکار ہوں: عشق کے اونٹ جس کسی راہ پر چلیں،
وہی میرا دین اور ایمان ہے۔

ترجمان الاشواق
حضرت محی الدین ابن العربی

روح کی بصارت سے
ہم مشاہدہ کرتے ہیں
بصارتِ الٰہی کا
دل کے آفاق و وسیع و عریض منظر نامہ پر

---ترجی بند
از نور علی شاہ

آقا کے گھر میں ہم جلدی بیدار ہوتے ہیں، صبح کے اس خنک پہر جب ستارے ماند پڑ جاتے ہیں اور رات کی ملائم سیاہی صبح کے اجالے میں سمٹ آتی ہے۔ وہ پہر پہچانتے ہو؟ جب خانۂ دل خاموش اور لوح دل کوری، بے داغ ہوتی ہے۔

اُس پہر مَیں باغ میں کھلنے والے دریچے میں آ بیٹھتا، جہاں پہاڑ کی ڈھلان اور اس کے بعد کھیت اور پھر شہر کا منظر ہوتا۔ آہ یروشلم، عین موسم گرما میں ہوا گل یاسمین اور سمندر کی خوشبو سے بھیگی ہوئی تھی۔

ہر روز کی طرح اس روز بھی مجھے صبح کو خوش آمدید کہتی بانگِ مرغ سنائی دی، لیکن میری زندگی میں ایسی صبح شاید ہی آئی ہو۔ یکدم یوں لگا کہ خلقت کے تمام پرندے اس نغمے میں شامل ہوگئے ہوں؛ درخت قنبر، فاختہ اور بھانت بھانت کی چڑیوں کی چہکار سے گونج اٹھے۔

میں نے کبھی نہ سنا تھا کہ پرندے یوں بھی جمع ہوتے ہیں، یا یوں کورَس میں گاتے ہیں۔ میں حیران تھا کہ ان پرندوں میں بلبلیں بھی تھیں جو صرف رات کو تاروں کی روشنی میں نغمہ طراز ہوتی ہیں۔ کس جبلت نے انہیں یوں جمع ہونے پہ مجبور کیا، میں نہیں جانتا، لیکن میری گوشہ نشینی ٹوٹ چکی تھی۔ میں سیڑھیوں سے نیچے چلا آیا اور صبح کی چائے کے لئے پانی گرم کرنے لگا۔

کیتلی چولہے پہ رکھ کر میں نے باغ کے رخ کھلنے والا دروازہ کھولا تا کہ روٹی کے بھوروں کے لالچ سے یہ کورَس ختم کر ڈالوں۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے سامنے درختوں کے بیچ پتھر کے بینچ پہ آقا کو بیٹھا پایا۔

میں متاسف تھا کہ آقا اس شور شرابے میں کیوں جا بیٹھے اور میں پوچھنے والا تھا کہ وہ چائے پینا چاہیں گے یا نہیں، لیکن مجھے دیکھ کر انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری اور آنکھیں موند لیں۔ یکدم پرندے خاموش ہو گئے، سب ایک ساتھ، جیسے وہ صرف آقا کیلئے نغمہ طراز ہوں۔

اس یکدم سکوت پہ میں نے اپنی سانس روک لی۔ میں نے سن رکھا تھا کہ آقا کی صحبت میں پراسرار واقعات ہوتے ہیں، اور یہ سکوت انہی میں سے تھا۔ میں نے کبھی ایسے واقعے کا مشاہدہ نہیں کیا تھا، سو اس منظر کی ہیبت مجھ پہ طاری ہو گئی۔

مجھے اندازہ ہوا کہ میں کتنا ناواقف تھا، ان چیزوں کے بارے میں اور آقا کے بارے میں۔ میرا ذہن طرح طرح کے خیالات سے بھرا تھا، لیکن میں پرندوں کی اس حیران کن روش کو سمجھ نہیں پایا۔ نہ میں ان کا نغمہ سمجھ پایا تھا، نہ ان کا سکوت۔

ویسے بھی مزید سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ دن شروع ہو چکا تھا اور جلد ہی باقی گھرانہ نمودار ہو گیا۔ میں نے پرندوں کا کچھ ذکر نہیں کیا اور نہ ہی کسی اور سے پوچھا کہ انہوں نے کچھ سنا کہ نہیں۔ آقا کے اطوار پہ گفتگو نہیں کی جاتی۔ مطبخ کے نگرانوں نے دیوان خانے کے فرش پہ بچھے ایرانی

قالینوں پہ سُفرہ[1] پھیلایا اور پھر نمک، روٹی، پنیر، مکھن اور مربہ ناشتے کے لئے پیش کیا، لیکن مجھے روٹی کی بھوک نہیں تھی۔

آقا ہمارے ساتھ کھانے نہیں آئے۔ جب میں نے کچھ دیر بعد باغ میں دیکھا تو وہ کہیں نہیں تھے، اور پرندے غائب ہو چکے تھے۔

آقا ابتدائے سہ پہر تک نظر نہیں آئے۔ ظاہر ہے کسی نے نہیں پوچھا کہ وہ کہاں تھے، اور نہ کوئی کچھ بولا جب انہوں نے کافی کی ایک خاص جنس کی تلاش میں، جو وہ کبھی نہیں پیتے تھے، بازار تک جانے کا فیصلہ کیا، جہاں وہ کبھی نہیں جاتے تھے۔ سب حیران تھے، لیکن کسی نے آقا کی مرضی پر سوال نہیں کیا۔ مجھے آقا کے ساتھ جانے کے لیے چنا گیا تا کہ وہ جو کچھ خریدیں اٹھا سکوں۔

آہ! مجھے ابھی تک یاد ہے کہ اس صبح بازار کی دلفریب خوشبوئیں اور منظر کس طرح میرے حواس پہ چھا گئے تھے۔ یوں دکانوں اور خوانچوں کے بیچ گزرتے ہوئے پرندوں کا وہ معما بھی میرے ذہن سے نکل گیا تھا۔ بازار میں بہت سے سوداگر آقا کو پہچانتے تھے، اور اپنے لئے آقا کی دعا کے لئے انہیں پھل اور روٹی بطور نذر پیش کرنے لگے۔ آقا نے مجھ سے ان کے نام میری چھوٹی نوٹ بک میں لکھوائے اور ان کو یہ نذرانے غربا میں تقسیم کرنے کو کہا۔

" تا کہ میری دعا میرے رب کے حضور واقعی سنی جائے"، انھوں نے کہا۔

آقا نے کچھ خریداری کے بعد پرانے شہر کا گشت لگانے کا فیصلہ کیا۔ ہم کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے یہاں تک کہ مسجد حرم الشریف کے

---

[1] ایرانی دسترخواں، لمبا اور چوڑا کپڑا

گنبد تک جا پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد ہیکلِ سلیمانی کے کھنڈرات پہ تعمیر ہوئی ہے۔

وہیں گنبد کے سائے تلے میری نظر اس گدائے کہنہ سال پہ پڑی۔ ان کی جلد جل کر کافی کی طرح بھوری ہو چکی تھی۔ جسم پہ کچھ نہ تھا سوائے سفید سُوتی تہبند، پھٹے پرانے چپل اور اک سفید بُنی ہوئی ٹوپی کے۔ وہ پتھر کی سیڑھیوں پہ بیٹھے اپنے کشکول میں خیرات کرتے لوگوں کی قسمت کا حال بتانے میں مصروف تھے۔ ان کا قد لمبا اور جسم چھریرا تھا جس کی پسلیاں جوڑ اور پٹھے صاف نظر آ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہ ابھی کسی قدیم صحرا سے نکل کر آئے ہیں، سوائے اس کے کہ ان کے سفید بال اور داڑھی صاف ستھری اور سلیقے سے کنگھی تھے _ شاید نمازیوں کے احترام میں۔

آقا رکے اور کچھ دیر ان کو دیکھتے رہے۔ میں نے کبھی ان کو نہ دیکھا تھا لیکن اس کے باوجود ان میں اپنائیت کی جھلک تھی۔ مجھے ایک دم ان کے لئے ہمدردی محسوس ہوئی، اور ان کی بڑھاپے کی سخت زندگی پہ ترس آیا۔

" نجانے ان کی دعائیں قبول بھی ہوتی ہیں" میں نے اونچی آواز میں سوچا۔

"یقیناً ہوتی ہیں" آقا نے میری طرف مڑتے ہوئے کہا، ان کی کالی آنکھیں سفید بادلوں جیسی گھنی بھووں تلے چمک رہی تھیں ۔

"ظاہر ہے وہ اپنے لئے کسی چیز کا سوال نہیں کرتے، اس لئے ان کی دعائیں بہت لطیف ہوتی ہیں، آسمان تک یوں اٹھتی ہیں جیسے زندگی کے اس سمندر سے اٹھتی دھند۔ وہ فقیر ہیں، جنہوں نے مفارقتِ سکینہ حاصل کی ہے، قلب کا وہ سکون جو صرف اللہ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے ملتا ہے۔ اس لئے اسحاق تمہارے بجائے انہیں تم پر ترس کھانا چاہئیے۔ جب تم دل کی آنکھ سے دیکھنا سیکھ جاؤ گے تو تمہاری آنکھیں

تمہیں دھوکہ نہیں دیں گی۔ جاؤ اور اپنے سِکّے ان کے پیالے میں ڈال دو۔ جتنا مال کا بوجھ کم ہو گا، تمہارے خود پسند نفس کا لنگر اتنا ہی ہلکا ہو گا"۔

کتنی دانائی سے میں نے سر ہلایا تھا، اور اتنا ہی کم میں سمجھ پایا تھا۔ اب بھی کتنا کم سمجھتا ہوں، حالانکہ میں ان بزرگ کی طرف بڑھا ضرور تھا کہ ان کے باریکی سے کندہ کشکول میں چند سکے گرا دوں۔

جب انہوں نے سر اٹھایا تو میں ایسا چونکا کہ سکے میرے ہاتھ سے گر پڑے۔ ان کے سفید بالوں اور سفید داڑھی کے چوکھٹے میں ان کے چہرے کی جلد چمڑے جیسی تھی، بہت سی گہری جھریوں سے بھری، وقت اور صحرائی ہوا سے کٹی، بے ڈھنگا لیکن دل نشین۔ میں نگاہیں پھیرلینا چاہتا تھا، لیکن ان کی نگاہوں نے میری آنکھوں کو جیسے گرفت میں لے لیا، اور میں وہیں جم کر رہ گیا۔ وہ اس قدیم چہرے میں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں، لیکن ان میں ایسی بردباری تھی کہ مجھے اپنے پچھلے زعم پہ شرم آئی۔

" تم لمبے سفر پہ جاؤ گے"، انہوں نے کہا۔

انہوں نے نگاہیں جھکا لیں اور دوبارہ نہیں بولے، اور میں بھی کچھ نہیں بول سکا۔ بس خجالت سے تھوڑا سا جھکا اور آقا کی عبا کے پیچھے کسی بچے کی طرح چھپ گیا۔ میں نے ان کے چند ہی الفاظ سنے تھے، لیکن مجھے لگا کہ یہ فقیر جس کے پاس اللہ کے سوا کچھ نہیں، اصل میں امیر ہے، جب کہ میں عمدہ پوشاک میں ملبوس اور سیم و زر کے ساتھ ترحُّم سے لدا، اصل میں بھکاری ہوں۔

میرا خیال سارا دن ان بزرگ کی طرف لوٹتا رہا۔ کن صحراؤں نے اس چہرے پہ نقوش چھوڑے، ایسی سنجیدہ دانائی کیسی سختیوں کے باعث ہے۔

اور ان کنوئیں جیسی گہری کالی آنکھوں نے کیسے مناظر دیکھے ہوں گے۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا، لیکن ان سے مانوسیت کا احساس مجھے چھوڑ نہیں رہا تھا۔ اس بات نے مجھے بے چین اور مضطرب کر دیا۔ میں نے تہیہ کیا کہ آقا سے اپنی کیفیت کے بارے میں شام کے کھانے کے بعد پوچھوں گا۔

"فقیر نے تم میں جو یاد بیدار کی ہے"، انہوں نے میرے ساتھ باغ میں ٹہلتے ہوئے کہا، " تمہاری روح کا اپنی تخلیق سے پہلے کی پاک حالت کا یاد کرنا ہے۔ ان کے قلب کی کاملیت اس راہ پہ چلنے والوں کو پکارتی ہے"۔

"اور تمہارا اضطراب"، وہ میرے ذہن کے ابہام کو پڑھ کے کہتے گئے " ان سے تمہارا خوف ہے۔ تمہارے کان ابھی تسلیم کے احساس سے نہیں سنتے، لیکن پھر بھی تم اس راہِ شوق پہ لے آئے گئے ہو، جہاں ساری دنیا کا سونا اپنی دھول کے ایک ذرے برابر کا بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔ تمہارا نفس ڈرتا ہے کہ یہ راہ تمہیں دنیاوی غربت کی طرف لے جائے گی"۔

"اسحاق! فیاض قلب کے پاس ہمیشہ دینے کو بہت ہوتا ہے۔ یہ تو طبیعت کے بخیل ہوتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس فیاض ہونے لائق متاع نہیں۔ مال کی کمی سے فقر نہیں حاصل ہوتا، نہ ہی صوم و صلوٰت سے۔ یہ تو خود ستائی کو ترک کرنے اور مسلسل ذکر اور دھیان سے ہوتا ہے کہ دل ما سوا سے کٹ جاتا ہے۔ تب ہی ہاتھ بخوشی دنیاوی متاع پہ گرفت ڈھیلی کرتے ہیں اور اللہ سے چمٹ جاتے ہیں"۔

میں آقا کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور آہ بھری۔

" افسوس، موسیٰؑ کی طرح تم بھی اصل خیرات کی قیمت سے نا واقف ہو*۔ تمہاری سوچیں ابھی تک اپنے آپ میں اس قدر الجھی ہوئی ہیں کہ ان میں کسی اور چیز کے گھسنے کی جگہ نہیں"۔

پھر آقا نے مجھے اس رات باہر سونے کا حکم دیا، تا کہ میں اسی ہوا میں سانس لوں اور اسی زمین کو محسوس کروں جس میں وہ فقیر رہتے ہیں، اور اس طرح اپنے دل کی اس یاد کو تقویت دوں۔

یوں میں اپنا بستر، کمبل اور تکیہ باغ میں لے آیا اور مرکزی فوارے کے قریب ایک ایرانی قالین پہ لیٹ گیا۔ موسم گرما میں آقا یہاں اکثر ملاقاتیں رکھتے ہیں اور توانائی کی شدت خاصی ہوتی ہے۔ میں کمبل کے نیچے سرک گیا، میرے ہاتھ سر کے پیچھے تھے اور میں بہتے پانی کی پر سکون نرم آواز میں رات کو اپنے اندر جذب کرنے لگا۔

مشرقی صحرا پہ سنہری ابھرنے والا پورا چاند اب یروشلم کے بے حساب تاروں کے بیچ اونچا، چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نے میرا دل ایک اَن کہی ہُوک سے بھر دیا۔ ایسا لگا جیسے آسمان کی سبھی روشنیاں جل اٹھی ہوں۔ وہ منظر اتنا عظیم، اتنا خوبصورت تھا کہ میری سوچ وہیں تھم گئی۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں، اور نیند اور خواب کے بیچ کی پہلی ساعت میں مجھے وہ پرانی کہانی یاد آئی۔ بلکہ یوں کہ میں اسے یاد آیا۔

موسیٰؑ صحرا میں اکیلے چلے، اور خدا کے سامنے گڑگڑا کر دعا کی "اے میرے رب، میں اتنے برس سے تیرا وفادار بندہ ہوں، پھر بھی تو کبھی میرے

---

* یہ فقرہ پہلی نظر میں کافی گستاخانہ معلوم ہوتا ہے، مگر سورۃ الکہف میں موجود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے واقعہ پر غور کرنے سے یہ اِشکال دور ہو جاتا ہے۔

گھر نہیں آیا، نہ میرے ساتھ کھانا تناول کیا۔ کیا تو اب بھی نہیں آئے گا، اور میرے گھر کھانا نہیں کھائے گا؟"

اور خدا اس گزارش سے خوش ہوا، اور جواب دیا "ہاں سچ ہے۔ بے شک تو میرا وفادار بندہ رہا ہے، اس لئے میں آج رات ہی تیرے گھر آؤں گا اور تیرے ساتھ کھانا تناول کروں گا"۔

موسیٰ اس خاص عنایت پہ بہت خوش ہوئے، اور تیزی سے گھر کی جانب چلے۔ سب گھر بار کو تیاری کا حکم دیا گیا، اور موسیٰ نے اپنے ہاتھ سے اپنے رب کے شایان شان دعوت کے لئے کھانا بنانے کی تیاری کی۔

جب سب تیار ہو چکا اور کھانے کا وقت قریب ہوا، موسیٰؑ نے اپنی عمدہ ترین پوشاک زیبِ تن کی، اور اپنے گھر کے باہر بے چینی سے ٹہلنے لگے۔ باہر دن بھر کے کام کاج سے بہت سے لوگ لوٹ رہے تھے، اور موسیٰؑ کے ساتھ سے سلام میں جھک کر گزرتے۔

وہ ان کے سلام کا جواب بے دھیانی سے دیتے رہے یہاں تک کہ ہجوم میں سے ایک بوڑھا آدمی، ایک فقیر ان کے پاس آیا اور جھک کر سلام کیا۔ وہ چیتھڑوں میں ملبوس تھا اور صندل کی لکڑی کی لاٹھی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ "اعلیٰ حضرت" اس نے کہا،" کیا آپ اپنی دولت میں سے چھوٹا سا حصہ مجھ غریب کو عطا نہیں کریں گے؟ با ادب گزارش ہے"۔

" ہاں ہاں" موسیٰ علیہ السلام نے شفقت سے لیکن عجلت میں جواب دیا " تمہیں پیٹ بھر کر ملے گا، اور تمہاری جیب کے لئے سکے بھی، لیکن تمہیں کچھ دیر بعد آنا ہو گا۔ مجھے ایک اہم مہمان کا انتظار ہے اور ابھی تمہارے لئے وقت نہیں"۔

سو وہ فقیر چل دیا اور موسیٰ علیہ السلام انتظار کرتے رہے۔ گھنٹوں گزر گئے اور ساری رات موسیٰ علیہ السلام بے چینی سے ٹہلتے رہے، لیکن ربِّ کریم نہیں آیا۔ اب موسیٰ علیہ السلام بہت پریشان ہوئے۔ خوب روئے اور بالکل نہ سو سکے۔ یہ خیال کہ خدا نے انہیں فراموش کر دیا ان کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گیا۔ علی الصبح وہ صحرا میں چل دیے۔ روتے ہوئے انہوں نے اپنے کپڑے تار تار کر دیئے اور سجدے میں بچھ گئے۔

"اے میرے رب!" وہ پکارے "میں نے کس طرح تجھے ناراض کر ڈالا کہ تو میرے گھر نہیں آیا جیسا تو نے وعدہ کیا تھا؟"

"اے موسیٰ" خدا نے جواب دیا "میں وہ فقیر تھا جو اپنی لاٹھی پہ ٹیک لگائے کھڑا تھا، جسے تو نے بھیج دیا۔ جان لے کہ **میں** اپنی تمام مخلوق میں ہوں، اور تو جو کچھ میری حقیر ترین مخلوق کو دیتا ہے، تو **مجھے** پیش کرتا ہے!"

جب دھوپ سے میری آنکھ کھلی تو میرے گال آنسوؤں سے تر تھے۔ میں اپنی جہالت کی انتہا پہ رویا اور دل کے اس لمبے سفر پر جو مجھے ابھی کرنا تھا۔ ابو القاسم الجنید رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے قطب تھے، ایک بار پکارے "میں باطل میں ہزاروں میل چلوں گا، کہ میرا ایک قدم حق ہو جائے*"۔

---

*بزرگانِ دین کے اقوال کو ہمیشہ کسی صاحبِ اجازت سے پڑھنا چاہئیے کیونکہ ان میں نہایت عارفانہ اشارے ہوتے ہیں۔ سیدنا جنید رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے مراد نفس کے ساتھ مسلسل جنگ ہے۔ انسان کی اس دنیا کی تمام تر گمراہیوں میں لے جانے والے نفس کے ساتھ پیہم جدّ و جہد ہے اور اس پر قابو پانے اور سچ کو جاننے کے لیے بہت محنت کرنا پڑھتی ہے۔ سچ ایک ہی ہے -- اللہ! اللہ ہمیں توفیق دے اور صراطِ مستقیم پر ہماری راہنمائی فرمائے تاکہ ہم سب وہ ایک قدم اٹھا سکیں، آمین۔

یقیناً ان فقیر نے میرے اندر یہی دیکھا ہو گا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اس راہ کے شیخ تک راہنمائی فرمائی، یہ کہ اس نے مجھے زندگی کا عظیم تحفہ عطا فرمایا۔

باقی سب کچھ نفس ہے، خوف کی ماری اور حاوی خودی کی کھوکھلی انانیّت۔